عابد رضا بیدار

تحریکِ ندوۃ العلمار

جدید ہندوستانی تحریکیں جنہوں نے کسی نہ کسی حیثیت سے مسلم ہندوستان کے ایک بڑے حصے کو سیاسی، سماجی، تہذیبی، مذہبی یا ذہنی اور فکری طور پر متاثر کیا ہے، ایک ایسا مستقل موضوع ہیں جس پر اکرام کے سلسلۂ کوثر کے سوا اردو میں تقریباً کچھ بھی نہیں لکھا گیا۔ الگ الگ سالک، مہر، بشیر ڈار، خلیق نظامی اور مرحوم زبیری کے متفرقات البتہ ہیں جو مذکورہ بالا موضوع پر کام کرنے والے کے لیے ایک حد تک مددگار ثابت ہو سکتے ہیں لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ دوسری زبانوں میں، عربی میں، مولوی عبدالحی کا کام خاصا اہم اور قابلِ ذکر ہے لیکن سب سے اچھا کام اسمتھ نے انگریزی میں کیا ہے جس سے بے نیاز رہ کر اس موضوع پر کوئی اچھا کام نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اسمتھ کے سوا انگریزی میں بھی ڈاکٹر حمید اللہ، آصف فیضی، اور فضل الرحمٰن کے بعض مقالوں کو چھوڑ کر اور کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں۔

ندوۃ العلمار کی تحریک، علی گڑھ کے بعد، مسلم ہندوستان کی ذہنی اور تعلیمی تاریخ کی محترم ترین تحریک رہی ہے۔ اب تو دوسرے بہت سے اداروں کی طرح جو عظیم تحریکوں کے بل پر عالمِ وجود میں آئے یہ بھی جمود سے دوچار ہے۔ ہر ادارے کی پشت پر جو تحریکیت اس کی جاں نوازی کرتی رہتی ہے وہ ختم ہو جاتے تو ادارے بے روح ہو جاتے ہیں۔ اب تو بس ایک تاریخ رہ گئی ہے جو محفوظ کر لی جائے تو شاید آنے والوں کے حوصلے اور توانائی کا سرچشمہ بن سکے۔

ندوہ کے بارے میں مندرجہ ذیل تحریر اس تحریک کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوگی۔ دستاویزی اہمیت کے پیشِ نظر اسے من و عن پیش کر رہا ہوں۔ یہ دستاویز قلمی صورت میں رام پور رضا لائبریری میں شمارہ ۱۴۰۶ پر محفوظ ہے۔

تحریر کے خاتمے پر مہتمم کتاب خانہ کے نوٹ میں اس کی تاریخ "۲۵ فروری ۱۹۱۰ء" دی گئی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے:

" ندوۃ العلمار کے دفد میں مولوی شبلی صاحب، مولوی محمد مسیح الزماں خاں صاحب شاہجہان پوری

اور شاہ سلیمان صاحب بہاری اور مولوی فضل الرحمٰن صاحب سہارنپوری نے یہ اڈریس بحضور انور دام ملکہم ۲۵ فروری ۱۰۱ء کو پیش کیا اور سرکار دولتمدار نے پانچ سو روپے سالانہ مقرر فرمایا۔"

اس دستاویز میں جو ندوہ کے عمائدین کی طرف سے ہے مختصر ترین اور جامع ترین انداز میں تحریک ندوہ کی تاریخ، اس کے سارے خدوخال اور پھر آئندہ عزائم کی تصویر، یہ سب کچھ آگیا ہے۔ اور اس کے لکھنے والے اس تحریک کے اہم اور ذمہ دار ارکان ہیں۔ یہی اس کی اہمیت ہے:

"پیشگاہ خدام عالی مرتبت والامنقبت حضور پرنور لفٹیننٹ کرنیل ہز ہائنس عالیجاہ فرزند دلپذیر دولت انگلشیہ مخلص الدولہ ناصر الملک امیر الامرا نواب سر محمد حامد علی خاں صاحب بہادر مستعد جنگ، جی۔ سی۔ اس آئی فرمانروائے ریاست رام پور

"حضور والا! یہ امر بندگان عالی متعالی پر مخفی نہیں کہ مسلمانوں کی قومیت کا عنصر مذہب ہے اور اس لیے ان کی قومیت بلکہ ان کی ہستی کی بقا مذہب کے بقا پر موقوف ہے۔ اسی ضرورت سے ابتدائے اسلام سے آج تک مسلمانوں میں ہمیشہ ایک گروہ علمار کا موجود رہا جو مذہبی عقائد، مذہبی احکام اور مذہبی اخلاق کا محافظ اور کفیل تھا۔ مسلمانوں کی تمام علمی، معاشرتی اور اخلاقی ترقیاں اسی فرقے کی بدولت وجود میں آئیں اور اسلام کا روحانی عروج خاص اسی فرقے کا ممنونِ احسان رہا۔ یہی وجہ ہے کہ من حیث القوم مربیان اسلام کی فہرست میں ابوحنیفہ، شافعی، غزالی، رازی کا نام تیمور اور اکبر سے پہلے لیا جاتا ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ پچھلی صدی میں علمار کا فرقہ اپنی عظمت کو جو اس کو قوم میں حاصل تھی قائم نہ رکھ سکا جس کی دو وجہیں تھیں۔ ایک یہ کہ علمار چھوٹی چھوٹی جزئی باتوں میں باہم مختلف ہو کر، جنگ و جدل اور تکفیر و تفسیق میں مصروف ہو گئے۔ دوسرے یہ کہ موجودہ زمانے میں جو علوم و فنون پیدا ہوئے ہیں اور جن کی بدولت دنیا کا نظام بدل گیا علمار اس سے بالکل بے خبر رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جدید تعلیم یافتہ گروہ علمار کے دائرۂ اثر سے نکل گیا۔

ان دو باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ روز بروز مذہبی علوم، مذہبی تاریخ، مذہبی عظمت کو تنزل ہوتا گیا اور ہوتا جارہا ہے کیونکہ جدید تعلیم یافتہ گروہ گو کس قدر ترقی کر لے لیکن یہ ظاہر ہے کہ وہ قرآن مجید کا، تفسیر کا، حدیث کا، فقہ کا شارح اور مفسر نہیں بن سکتا۔ نہ مذہبی روایات اور مذہبی اخلاق کے قائم رکھنے کا کفیل ہو سکتا ہے۔

اس بنا پر چند روشن ضمیر علمار نے ۱۸۹۴ء میں ان امور کی اصلاح کے لیے ایک مجلس ندوۃ العلماء

کے نام سے قائم کی اور اس کے دو مقصد قرار دیے: اصلاح نصاب تعلیم، اور رفع نزاع مذہبی۔ تین برس تک اس انجمن کی کارروائیاں جاری رہیں اور اس کے سالانہ اجلاس بڑے اہتمام سے منعقد ہوئے لیکن بعض علمار نے دونوں مقصدوں کی مخالفت کی۔ یہاں تک کہ بعض علمار نے ندوہ کی تکفیر میں رسالے لکھے اور اس کی وجہ یہ ظاہر کی کہ ندوہ مسلمانوں کے تمام مختلف فرقوں کو ملا کر ایک بنا دینا چاہتا ہے۔

بانیان ندوہ نے یہ دیکھ کر ایک مدرسے کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد یہ تھا کہ طرز تعلیم میں اصلاح کی جائے اور طالب علموں کو ایک بورڈنگ میں رکھ کر اس قسم کی تربیت دی جائے جس سے ان میں بلند خیالی عالی حوصلگی اور بے تعصبی پیدا ہو۔

یہ دارالعلوم ۱۸۹۸ء میں ابتدائی حیثیت سے قائم ہوا۔ ۱۹۰۱ء میں اس نے اعلیٰ درجہ تعلیم تک ترقی کی اور اب اس میں تکمیل کی شاخ قائم ہو گئی ہے۔

نصاب میں فن تفسیر اور بلاغت وادب کی وہ اعلیٰ درجے کی کتابیں داخل کی گئیں جو اب تک درس میں نہ تھیں۔ علوم جدیدہ اور فلسفۂ حال کی کتابیں درس میں اضافہ کی گئیں۔ جدید علم کلام جو فلسفۂ حال کے مقابلے میں کام آسکتا ہے اس کا سامان مہیا کیا گیا۔ انگریزی زبان بطور سکنڈ لینگوایج کے داخل کی گئی اور دو برس سے لازمی اور کمپلسری کر دی گئی۔ طلبہ کو عربی زبان میں تحریر و تقریر کی مشق کرائی جاتی ہے۔ چنانچہ ایسے طلبہ تیار ہو گئے ہیں جو فی البدیہہ عربی زبان میں خطبہ اور لکچر دے سکتے ہیں۔

ایک خاص درجہ تکمیل کا کھولا گیا جو تمام ہندوستان میں بالکل ایک جدید چیز ہے۔ یہ طریقہ قدما کے زمانے میں جاری تھا لیکن مدت سے متروک ہو گیا تھا۔ مولویت کی سند حاصل کرنے کے بعد طالب العلم ایک مخصوص فن مثلاً تفسیر، حدیث، علم کلام وغیرہ اختیار کرتا ہے اور خاص اس فن میں کمال بہم پہنچاتا ہے۔ یہ طریقہ اس قسم کا ہے جیسا کہ یورپ میں ال ڈی اور ڈاکٹر کی ڈگریوں کا ہوتا ہے۔ سب سے مقدم چیز جو دارالعلوم میں ہے وہ طلبا کی معاشرت اور تربیت ہے۔ قدیم طریقہ جو لوگوں کے گھروں پر جا کے کھانے کا تھا بالکل ترک کر دیا گیا ہے۔ تمام طلبہ بورڈنگ میں رہتے ہیں۔ ایک جگہ کھانا کھاتے ہیں۔ اساتذہ اخلاق اور طریق معاشرت کی نگرانی کرتے ہیں۔ اسی تربیت کا اثر ہے کہ ندوہ کے طلبا ان مذہبی اختلافات اور نزاعات سے ہمیشہ مجتنب رہتے ہیں جو مسلمانوں میں پھیلے ہوئے ہیں جس کا نہایت برا اثر چند سالوں سے لکھنؤ میں محسوس ہو رہا ہے۔ ہم کو قطعی امید ہے کہ ندوہ کے تعلیم یافتہ طلبا جب ملک میں پھیل جائیں گے تو ان کے وعظ اور تلقین عمل سے مسلمانوں کی مذہبی نزاعیں کم ہو جائیں گی، اور یہ وہ مقصد ہے جس کو ندوہ نے اپنے قیام کے

ساتھ پیش نظر رکھا تھا۔

طلبہ کی تعداد اس وقت ۱۵۰ ہے جن میں سے سو کے قریب بورڈر ہیں۔ بورڈروں کی تعداد بہت زیادہ ہو سکتی ہے لیکن بورڈنگ کے لئے مکان نہ ہونے کی وجہ سے ہم کو ہمیشہ طلبا کے لینے سے انکار کرنا پڑتا ہے۔

مدرسین کے اسٹاف میں ۱۳ اشخاص ہیں جن میں سے پرنسپل صاحب علوم عقلیہ کے بہت بڑے ماہر ہیں۔ ادب عربی کی تعلیم کے لیے دو اہل عرب فاضل ہیں۔ انگریزی تعلیم کے لیے ایک ایم۔ اے ایک بی۔ اے دو انٹرنس اور ایک ریاضی دان ہے۔

مالی حالت یہ ہے کہ ندوہ جب ابتدا میں قائم ہوا تھا، عین اسی زمانے میں حضور سرکار نظام خلد اللہ تعالیٰ ملکہٗ نے سو روپے ماہوار مقرر فرمایا تھا۔ ۱۹۰۷ء میں سرکار عالیہ بھوپال نے پچاس روپے مقرر کیے اور ۱۹۰۸ء میں یہ تعداد بڑھا کر ۲۵۰ کر دی۔ انگریزی تعلیم کی مد میں گورنمنٹ انگریزی نے ۱۹۰۸ء میں ۵۰۰ روپے ماہوار مقرر کیا۔ اس کے علاوہ ریاست بہاولپور سے خاص طلبہ کے وظائف کے لیے تین سو سالانہ مقرر ہیں۔

دارالعلوم کو سب سے زیادہ ضرورت عمارت کی ہے جو ایک وسیع قطعہ زمین میں واقع ہو اور جس میں دارالعلوم، بورڈنگ، کتب خانہ، مسجد کی شاندار عمارتیں تعمیر پائیں۔ ہم کو اس امر کے ظاہر کرنے میں نہایت مسرت ہے کہ جناب معلی القاب ہز آنر سر جان ہیوٹ لفٹننٹ گورنر بہادر نے اس غرض کے لیے ۲۲ بیگہ پختہ کا ایک ایسا قطعہ اراضی عطا کیا ہے کہ نظر اور موقع کے لحاظ سے لکھنؤ میں کوئی قطعۂ زمین اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔

خوش قسمتی سے اسی زمانہ میں جناب مخدومہ علیا رئیسہ بہاولپور جدۂ ماجدہ رئیس حال خلد اللہ تعالےٰ نے خاص مدرسے کی تعمیر کے لیے ۵۰ ہزار روپے عنایت فرمائے۔ چنانچہ جناب معلی القاب ہز آنر لفٹننٹ گورنر بہادر نے نومبر ۱۹۰۸ء میں اس کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا جس کی تقریب میں رؤسا اور علماء کا ایک عظیم الشان مجمع منعقد ہوا تھا۔ لیکن چونکہ بورڈنگ کی مد میں ہمارے پاس بجز ایک قلیل رقم کے کوئی سرمایہ نہیں ہے اس لیے ابھی تک بورڈنگ کی بنیاد نہیں رکھی گئی۔ اور جب تک بورڈنگ نہ ہو مدرسے کی عمارت بھی معطل رہے گی۔

حضور والا! دارالعلوم کا جو خاکہ ہمارے پیش نظر ہے وہ ایک مذہبی مدرسۂ اعظم ہے جس کو ریلجس یونیورسٹی کہہ سکتے ہیں یعنی ایک ایسی اکاڈیمی جس میں علوم مذہبی کی اعلیٰ تعلیم دی جائے۔ جس سے وہ علماء

تیار ہوں جو فلسفۂ حال کے مقابلے میں مذہبی عقائد کی حفاظت کر سکیں، جو علوم و فنون جدیدہ سے واقف ہوں۔ جو تصنیف و تالیف کی خدمت کو انجام دے سکیں اور جن کی تصنیفات دونوں گروہ قدیم و جدید تعلیم یافتہ کو بہرہ ور کر سکیں۔ جن کے تقدس اور اخلاق اسلامی عام جماعت میں عمدہ خصائل پھیلانے کا بہترین ذریعہ ہوں جو یورپ کی زبانیں حاصل کر کے یورپ کے ممالک میں اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کر سکیں۔

ہمارا یہ بھی ارادہ ہے کہ سرمایہ مہیا ہو نے پر دارالعلوم میں ہم صنعت و حرفت کی تعلیم کی بھی شاخ کھولیں تاکہ علمائے مذہب ضروریاتِ زندگی میں کسی کے دست نگر نہ ہوں۔

اس اعلیٰ مقصد اور اعلیٰ تخیل کے وجود میں آنے کے لیے ہم کو حضور والاصفات سے ہر قسم کے ارشاد و ہدایت اور ہمدردی کی توقع ہے۔

اخیر میں ہم حضور پر نور کی درازیٔ عمر اور سلامتی کے لیے نہایت صدق دل سے دعا کرتے ہیں۔

ربنا تقبل منا انک سمیع مجیب الدعوات آمین یارب العالمین

اسلام اور مذاہب عالم

مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی

مذاہب عالم اور اسلام کا ایک تقابلی مطالعہ

یہ کتاب یہ وضاحت کرتی ہے کہ اسلام انسان کے مذہبی ارتقا کی فیصلہ کن منزل تھی۔ اس نے تمام مذاہب کے حقائق کو یکجا کر کے اپنی وحدت میں سمو لیا۔

صفحات ۲۹۸۔ قیمت ۸/۴ روپے

حکمائے قدیم کا فلسفۂ اخلاق

مصنفہ بشیر احمد ڈار

عہد قدیم میں چین، ایران، مصر اور یونان کی تہذیبوں نے حیرت انگیز ترقی کر لی تھی اور یہاں کے مفکروں نے جو افکار و نظریات پیش کیے انہی کی بنیاد پر جدید افکار کی عظیم الشان عمارت تعمیر ہوئی ہے اور اس کتاب میں کون فیوشس، لاؤتزے، زرتشت، مانی، سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے عظیم مفکروں کے اخلاقی نظریات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ قیمت ۶ روپے

ملنے کا پتہ: سیکرٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور